فرقہ پرویزیت؛ تعارف و علمی محاسبہ

از افادات متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سرپرست: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی، لاہور روڈ، سرگودھا

بانی وامیر: عالمی اتحاد اہل السنت والجماعت

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

چیئرمین: احناف ٹرسٹ

www.ahnafmedia.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقہ پرویزیت؛ تعارف و علمی محاسبہ

از افادات متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

﴿بانی فرقہ کا تعارف﴾

نام:

غلام احمد پرویز اور والد کا نام چودھری فضل دین تھا، متحدہ ہندوستان کے معروف شہر بٹالہ (ضلع گورداس پور) کے ایک سنی حنفی گھر میں 9/ جنوری 1903ء میں پیدا ہوئے، ان کے دادا حکیم مولوی رحیم بخش اپنے وقت کے مانے ہوئے صوفی بزرگ تھے اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم اور مذہبی تعلیم پرویز نے اپنے گھر پر ہی والد اور دادا کی زیر نگرانی حاصل کی، ایک انگریزی اسکول Alady of England سے 1921ء میں میٹرک پاس کیا، اس کے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے B.A. کی ڈگری حاصل کی، 1927ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے مرکزی سکریٹریٹ میں ملازمت اختیار کی اور بہت جلد ترقی پا کر ہوم ڈپارٹمینٹ میں سیکشن آفیسر مقرر ہوئے، کچھ عرصہ بعد غلام احمد پرویز کی ملاقات حافظ اسلم جیراجپوری (جو کہ بذات خود منکرین حدیث میں شمار کئے جاتے تھے) سے ہوئی اور صحبت چونکہ عادات کو منتقل ہونے میں معاون ہوتی ہے، لہٰذا جو سوچ اسلم جیراجپوری کی تھی اس سوچ نے پرویز کی تنکیرِ حدیث کی سوچ کو مزید جِلا بخشی اور ویس باویس اسلم جیراجپوری کا ایک جانشین تیار ہوتا چلا گیا، جو کہ بعد میں فتنہ انکارِ حدیث کے نشر واشاعت کا بڑا ذریعہ بنا۔

پرویز کے گمراہ ہونے کا سبب بغیر استاد کے قرآن اور حدیث کا مطالعہ ، سرسید کے خیالات کا مطالعہ اور پھر ستم در ستم یہ کہ اسلم جیراجپوری سے ملاقات اور اس کی زہر آلود صحبت کا اختیار کرنا خود لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک حدیث کو پڑھ کر میرے ذہن میں سوالات اور حیرت اور استعجاب کے ساتھ ساتھ بغاوت کے جھکڑ چلنے شروع ہوئے تو حافظ محمد اسلم جیراجپوری کی رفاقت نے مجھے سہارا دیا"۔

(غلام احمد پرویز از قاسم نوری ص:129)

آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔1938ء میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی تو ان کے یادگار کے طور پر سید نذیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام "طلوعِ اسلام" جاری کیا اس کا پہلا شمارہ اپریل 1938ء میں شائع ہوا تھوڑی ہی مدت بعد پرویز صاحب نے اس ماہنامے کی سرپرستی سنبھال لی۔اور تعلیمات اقبال کے علاوہ آہستہ آہستہ اس ماہنامے کو اپنے افکار و نظریات کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنایا۔ قیامِ پاکستان 1947ء کے بعد مسٹر پرویز دہلی سے کراچی آگئے اور پاکستان میں اسی عہدہ پر کام کیا جس عہدہ پر انڈیا میں کام کرتے تھے۔اور کراچی آنے کے بعد آپ نے اس ماہنامے کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کے لیے مختص کر لیا۔اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی 1947ء سے ہی شروع کیا گیا۔اب یہ ماہنامہ پرویز صاحب، ان کی پارٹی اور دوسرے منکرین حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔اس میں محدثین کی سالوں کی شبانہ روز محنت سے مرتب کئے گئے خزائنِ احادیث کو پرویز نے ایرانی اثرات اور جھوٹی روایات سے تعبیر کیا، دین میں انحراف پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کو نشاۃِ ثانیہ جیسا خوبصورت نام دیا، عوام الناس کو علماء کی سرپرستی سے محروم کر کے ان کو

آزاد زندگی کے سبز باغ دکھائے کہ جس میں ہوائے نفسانی کا جامہ الفاظِ قرآن کو پہنا کر نیا دین پیش کیا گیا تھا۔

1953ء میں غلام احمد پرویز نے اپنی "قرآنی بصیرت" اور "قرآن فہمی" کو دروس کی شکل دینا شروع کر دی اور لوگوں کے ذہنوں سے اسلام کی حقیقت کو محو کرنا شروع کر دیا، یہ درس کراچی میں پرویز کی رہائش گاہ پر ہوتا تھا، 1955ء میں ریٹائرمنٹ لے کر اپنی سوچ و فکر کی نشر واشاعت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر لیا۔ 1958ء میں اس ماہنامہ سمیت کوٹھی نمبر 25/B گلبرگ 2 لاہور میں منتقل ہوئے اور وہاں بھی ان دروس کا آغاز کیا، یہ ہفت روزہ ہوا کرتے تھے، 15/اکتوبر 1984ء تک یہ سلسلہ جاری رہا، قرآن کی اس "تفسیر بالرآی" کا پہلا دور 1967ء میں مکمل ہوا تھا اور پھر دوبارہ شروع کر دیا تھا۔ غلام احمد پرویز اپنے دروس قرآن اپنی رہائش گاہ پر دیا کرتے تھے، یہ درس ہر جمعہ کو ہوا کرتا تھا اور باقاعدہ اس کی ویڈیو کیسٹ بنا کرتی تھی اور اب بھی جگہ جگہ ان ویڈیو کیسٹز کے ذریعے قرآنی دروس ہوتے ہیں۔اب طلوع اسلام کا مرکزی دفتر غلام احمد پرویز کی رہائش گاہ کوٹھی نمبر 25/B گلبرگ 2، لاہور میں ہی ہے۔ جہاں ان کی تصانیف، مقالے اور وہ تمام مواد جو کہ انہوں نے مرتب کیا یا جس سے ان کے مسلک کے نظریات و عقائد کی تشریح ہوتی ہو موجود ہے اور اس تمام مواد کے ذخیرہ کو The Pervaiz Memorial Research Scholer Library کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

علماء نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت کو ضروری بتایا ہے، بھلا جو ان علوم سے ناآشنا ہو وہ قرآن کی تفسیر کیا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرویز نے جب اس کی جرأت کی تو قرآن کے الفاظ کو اپنی خواہشات کا جامہ پہنایا، اسی کو قرآن نے کہا ہے کہ:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۔(جاثیہ:23)

ترجمہ: پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی خواہش کو بنالیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا۔

دراصل دین کو ہر آدمی نے اپنی میراث سمجھ رکھا ہے، نہ مدرسہ کی تعلیم، نہ علماء کی صحبت، نہ صحیح راستہ کی رہنمائی، نہ ائمہ اربعہ کی تقلید، بلکہ یکسر سب کی نفی اور اس پر مور یہ کہ ہم بھی تو مسلمان ہیں، قرآن ہمارا بھی ہے کیا ہم قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے انکارِ حدیث کے ذریعہ انکارِ قرآن کی بنیاد رکھی ہے،

اولاد:

پرویز نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، لیکن ان کے قائم کردہ ادارے اور تصانیف کا مواد آج بھی مسلمانوں کو صحیح رخ سے پھیرنے اور حدیث، قرآن کے حقیقی معنی، اجماعِ امت اور علماء کی سرپرستی سے محروم کر کے قرآن کو من پسند معنوی جامہ پہنانے میں مصروف عمل ہیں۔

وفات:

4 فروری 1985ء کو لاہور میں وفات پائی۔

تصانیف:

ان کی سب سے زیادہ مشہور کتب درج ذیل ہیں: معارف القرآن، مفہوم القرآن' (تین جلدوں میں)، مطالب الفرقان، لغات القرآن، مقام حدیث، معراج انسانیت، انسان نے کیا سوچا، اسلام کیا ہے ؟، شعلۂ مستور، کتاب التقدیر، شاہکار رسالت، قرآنی قوانین، جہانِ فردا ، ابلیس وآدم، سلیم کے نام خطوط، قرآنی فیصلے۔ وغیرہ۔ مسٹر پرویز صاحب نے اپنی ایک تصنیف کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

میری اس تصنیف کا مقصد یہ نہیں کہ جو لوگ خدا وحی انسانی ذات حیات بعد الممات کے قائل نہیں انہیں ان کا قائل کرایا جائے اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا جائے اس تصنیف سے مقصد ان حقائق کے متعلق قرآنی تصریحات کو پیش کرنا ہے اس لیے ان تمام مباحث میں دائرہ سخن کو اسی حد تک محدود رکھا گیا ہے۔ (جہان فردا ص169)

فرقہ پرویزیت کے بنیادی افکار

اس فرقہ کے بنیادی افکار یہ ہیں:

1: انکارِ حدیث

2: نظریہ ارتقاء

3: نظام ربوبیت (معاشیات)

4: مکافات عمل

پھر ان نظریات کی روشنی میں پرویز صاحب نے قرآن کی تشریح کرنا شروع کر دی اور یوں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک الگ رخ پیش کر دیا جیسا کہ موصوف کی تحریرات سے واضح ہو گا۔

قارئین کرام! اب ہم مسٹر پرویز صاحب کے مندرجہ بالا نظریات میں سے ہر ایک کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

مسٹر پرویز اور انکارِ حدیث

1: حدیث دین نہیں

آپ کسی مسلمان سے پوچھیے وہ بلا تأمل کہہ دے گا کہ دین نام ہے قرآن و حدیث کا قرآن کے دین ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں خود خدا نے اسے دین کا ضابطہ قرار دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حدیث بھی دین کا جزو ہے؟ یہ تھا وہ سوال جس پر غور کرنے کی دعوت طلوع اسلام نے دی طلوع اسلام کا کہنا یہ تھا کہ اگر حدیثیں بھی دین کا جزو تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قرآن دیا تھا اسی طرح اپنی حدیث کا ایک مستند مجموعہ بھی امت کو دے جاتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

(مقام حدیث ص،ز)

2: حدیث کی حیثیت تاریخی ہے

محدثین نے روایات کو دینی تسلیم کر لیا اور ان کے اثر سے تمام امت میں ان کی دینی حیثیت مسلم ہو گئی، مگر محققین کی ایک جماعت ہمیشہ سے قرآن ہی کو مکمل دین مانتی اور حدیثوں کو تاریخ دین سمجھتی رہی ہے۔ (مقام حدیث ص50)

3: حدیث کو وحی ماننا یہود کا عقیدہ ہے

ایک اور عقیدہ وضع کیا گیا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں وحی جلی (قرآن) اور وحی خفی (حدیث)۔۔ واضح رہے کہ وحی کی ان دو قسموں کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں ہے گتی کہ حدیث کے اولین لٹریچر میں بھی اس اصطلاح کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔۔ ان حضرات نے اس عقیدہ کو یہودیوں کا ہاں سے مستعار لیا اور اسے عین دین بنا کر پیش کر دیا۔ (مقام حیات ص29، ابلیس و آدم ص302)

4: اختلاف امت کا سبب حدیث ہے

آپ احادیث کو یقینی اقوال و افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرتے رہیں گے اس وقت تک امت میں وحدت پیدا کرنا ناممکن ہے۔

(مقام حدیث ص40)

5: حدیث پر ہمارا ایمان نہیں

نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے

نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح دینی حجت مانیں۔ (مقام حدیث ص169)

6: علم کے ذرائع صرف دو ہیں

ختم نبوت کے بعد ہمارے پاس علم کے صرف دو ذرائع رہ جاتے ہیں، ایک وہ وحی جو قرآن کے اندر ہے اور دوسرا انسان کی عقل و بصیرت۔

(طلوع اسلام اکتوبر 1955ء ص3)

7: خدا کے سوا کسی کی اطاعت جائز نہیں

قرآن کریم کی تعلیم کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اطاعت صرف خدا کی کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ کسی اور کی اطاعت جائز نہیں۔

(مقام حدیث ص40)

فائدہ:

پرویز صاحب کی چیرہ ستانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موصوف نے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کو -معاذ اللہ- منکر حدیث ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"اگر انصاف پسندی کوئی اصول ہے تو ہم ناقدان پرویز سے التماس کریں گے کہ یا تو وہ علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کو بھی منکر حدیث میں شمار کریں کیونکہ ان کے موقف حدیث اور علامہ پرویز کے موقف حدیث میں سر مو فرق نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو کم از کم انہیں اپنے تضاد فکر و نظر پر کچھ تو ندامت محسوس کرنی چاہیے۔" (طلوع اسلام فروری 2005ء ص23)

حالانکہ علامہ اقبال رحمہ اللہ منکر حدیث نہیں تھے بلکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے اور مسلمانوں کی حیات اجتماعیہ سے متعلق پیش آمدہ مسائل کا حل کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پرچہ "طلوع اسلام" کے متعلق اعلان کیا گیا تھا کہ اس کا مسلک حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی نور بصیرت کو عام کرنا یعنی مسلمانوں کی حیات اجتماعیہ سے متعلق ہر مسئلہ کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کرنا ہو گا۔ (طلوع اسلام اپریل 1939ء ص4)

قارئین کرام! اس سے معلوم ہوا کہ علامہ اقبال رحمہ اللہ حدیث و سنت کو مانتے تھے۔ یہ پرویز صاحب کا علامہ اقبال رحمہ اللہ پر بہتان صریح ہے اور طلوع اسلام کا اولین لٹریچر بھی پرویز صاحب کی تائید نہیں کرتا۔ طلوع اسلام کے ابتدائی شمارہ کی ایک عبارت یہ ہے:

"جناب رازی مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں کس حسن و خوبی سے حل کرتے تھے۔"

(طلوع اسلام جنوری 1939ء ص94)

رسول کی اطاعت سے مراد

قرآن کریم میں جہاں جہاں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔

(مقام حدیث ص83)

رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں یہ ذہنیت امت میں اس وقت پیدا ہوئی جب کوئی صحیح خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہا۔ (مقام حدیث ص84)

مسٹر پرویز اورنظریہ ارتقاء

پرویز صاحب کا نظریہ ارتقاء کیا ہے؟

یہ سوال ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا انسان کس طرح وجود میں آگیا ذہن انسانی کے لیے وجہ ہزار حیرت واستعجاب رہا ہے چنانچہ ان مذاہب میں توہم پرستی نے حقائق کی جگہ لے رکھی ہے اس عقیدے کے حل میں عجیب وغریب افسانہ طرازیوں سے کام لیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جس کی طرف علم و بصیرت کے انکشافات رہنمائی کئے جارہے ہیں، سائنس کے انکشافات کی رو سے خاک کے ذرے مختلف ارتقائی منازل طے کرکے قرنہا قرن کے بعد انسانی صورت میں متشکل ہوگئے یعنی سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورت انسانی میں جلوہ گر نہیں ہوا بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی۔ [ابلیس و آدم ص63،64]

آدم سے مراد:

قصہ آدم خود آدمی کی سرگذشت ہے نہ کسی خاص فرد کی داستانی زندگی بابا آدم اور اماں حوا کا تصور بائبل کا تصور ہے قرآن کا نہیں۔

(ابلیس وآدم ص40)

حضرت آدم اول انسان ہیں

قرآن کریم:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ

(السجدہ:7،8)

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ

(آل عمران:33)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا

(مریم:58)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النساء:1)

احادیث مبارکہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَيَدَعَنَّ رِجَالٌ فَخْرَهُمْ بِأَقْوَامٍ إِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنَّمَ أَوْ لَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الْجِعْلاَنِ الَّتِى تَدْفَعُ بِأَنْفِهَا النَّتْنَ

(ابوداؤد ج2ص297,298 باب فی فضل التفاخر بالاحساب)

عن أبي هريرة رضى الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قد أذهب الله عنكم عبية الجاهلية وفخرها بالآباء مؤمن تقي وفاجر شقي والناس بنو آدم وآدم من تراب

(ترمذی ج2ص232)

عن بن عمر : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم خطب الناس يوم فتح مكة فقال يا أيها الناس إن الله قد أذهب عنكم عبية الجاهلية وتعاظمها بآبائها فالناس رجلان بر تقي كريم على الله وفاجر شقي هين على الله والناس بنو آدم وخلق الله آدم من التراب قال الله يا يها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثىٰ وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير

(ترمذی ج2ص162 سورۃ الحجرات)

قصہ آدم میں ملائکہ، سجدہ ملائکہ، جنت فریب ابلیس ہبوط آدم سے مراد:

اس قصے میں ملائکہ سے مراد کائنات کی قوتیں ہیں جنہیں خاص قوانین کے تابع سرگرم عمل رکھا گیا ہے ان قوانین کا نام قوانین فطرت ہے ان قوانین کے علم سے انسان ان تمام قوتوں سے اپنے منشا کے مطابق کام لے سکتا ہے یہ سجدہ ملائکہ ہے پھر اس زندگی کو جس میں انسان نے ہنوز میری اور تیری کی تفریقات پیدا نہیں کی تھیں اور جس میں ہر فرد جہاں سے جی چاہتا پیٹ بھر کر کھا ہی سکتا تھا جنت کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسانی تمدن سے پہلے کی زندگی تھی اس کے بعد ایک طرف شعور خویش بیدار ہوا اور دوسری طرف مدنیت کی زندگی اختیار کرنے سے باہمی مفاد کا تصادم شروع ہو گیا عقل حیلہ جو نے ہر فرد یا ہر گروہ کے دل میں اس کے اپنے مفاد کے تحفظ اور اس کی طبعی زندگی کی بقا کا جذبہ اتارا یہ فریب ابلیس ہے اور اس کی کشمکش کی زندگی ہبوط آدم ہے۔ [ابلیس و آدم ص57]

خلیفۃ اللہ سے مراد:

لہذا آدم نوع انسانی کے خلیفہ فی الارض سے مفہوم اپنے سے پہلی مخلوق کی جانشینی اور تسلط و تمکن اور قوت و غلبہ کے ساتھ جانشینی ہے۔۔۔۔۔ خلیفہ کا مفہوم آپ کے سامنے آگیا اس کے برعکس ہمارے ہاں عام طور پر جو عقیدہ مروج ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اس عقیدے کی کوئی سند قرآن میں نہیں۔ (ابلیس و آدم ص88)

آدم کے دو بیٹوں کا قصہ:

یہ آدم کے دو بیٹوں کا قصہ (جو بنی اسرائیل کے ہاں زبان زد عوام تھا) درحقیقت ان کی اپنی جذباتی کیفیت کا ترجمان تھا کہ وہ بات بات پر آمادہ بہ قتل ہو جایا کرتے تھے۔ (قرآنی قوانین ص108)

مسٹر پرویز اور نظامِ ربوبیت (معاشیات)

نظام معیشت اور قرآن:

قرآن کا پروگرام یہ ہے کہ پیداوار (رزق) کے وسائل کی تحویل میں رہیں اور افراد معاشرہ اپنی اپنی محنت کے حصل میں سے بقدر اپنی ضروریات خود رکھ کر باقی اس نظام کے سپرد کر دیں تاکہ وہ اس طرح جملہ افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی پوری کرتا اور ان کے لیے سامان نشو ونما فراہم کرتا رہے۔ (ابلیس و آدم ص114)

ذاتی ملکیت بنانا اسلام میں جائز نہیں:

اسلامی نظام میں فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی لہذا اس میں ذاتی جائدادیں کھڑی کرنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا اس میں زمین، دولت، صنعت (کارخانے) تجارت وغیرہ سب امت کی مشترکہ تحویل میں رہتے ہیں۔ (قرآنی قوانین ص159)

دولت جمع کرنا جائز نہیں:

قرآن کے معاشی نظام کی رو سے دولت جمع کر کے نہیں رکھی جا سکتی۔ (قرآنی قوانین ص 157)

مارکس اور لینن کا پیش کردہ نظام کمیونزم آیہ رحمت ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کمیونزم کی طرف سے دنیا کے سامنے اس کا معاشی نظام پیش کیا جارہا ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلہ میں انسانیت کے لیے آیہ رحمت ہے اور یہ واقعہ بھی ہے۔(نظام ربوبیت ص398)

نظام کمیونزم معاش قرآنی کے مماثل ہے:

جہاں تک کمیونزم کے معاشی نظام کا تعلق ہے وہ قرآن کریم کے تجویز کردہ معاشی نظام کے مماثل ہے۔(نظام ربوبیت ص358)

سود:

جیسا کہ معاشی نظام کے عنوان میں بتایا جائے گا قرآن کریم کی رو سے معاوضہ محنت کا ہے سرمایہ کا نہیں سرمایہ پر نفع لینا ربوا ہے خواہ اس کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔(قرآنی قوانین ص119)

مضاربت، مزارعت ٹھیکہ ربوٰ ہے۔ (قرآنی قوانین ص123)

مسٹر پرویز اورنظریہ مکافات عمل

مکافاتِ عمل کیا ہے؟

خدا نے ہر کام کا ایک متعین نتیجہ مقرر کر رکھا ہے مثلاً اگر آگ پر پانی کی دیگچی رکھ دی جائے تو کچھ وقت کے بعد پانی گرم ہو جائے گا اور پھر کھولنے لگے گا یا ایک خاص مقدار میں سنکھیا کھالیا جائے تو انسان مر جائے گا یہ خدا کا مقرر کردہ قانون ہے۔

(اسی طرح، ناقل) انسان کا ہر علم اپنا نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے یہ قانون اٹل ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (جہان فردا ص1)

ترجع الامور کا معنیٰ:

اس کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ دنیا کے ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہوتا ہے۔ (جہان فردا ص42)

توبہ کا معنیٰ:

توبہ کے معنیٰ کچھ پڑھ کر خدا سے بخشش مانگنے کے نہیں اس سے مراد تلافی مافات کے لیے کچھ عملاً کرنے کے ہیں۔ (جہان فردا ص54)

مغفرت کا معنیٰ:

قانون مکافات عمل کی رو سے بخشش کا تصور ہی غلط ہے قرآن کریم کی رو سے گناہوں کی بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ قرآن کریم میں جہاں خدا نے کہا ہے، یغفر الذنوب یا اس نے اپنے آپ کو غفور کہا ہے تو اس کا یہ مفہوم نہیں کہ خدا گناہوں کو بخش دیتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے قانون مکافات میں اس کی گنجائش رکھ دی ہے کہ انسان کو اس کے غلط اقدامات کے تخریبی اثرات سے سامان حفاظت مل جائے۔

(جہان فرداص57،58)

ثواب کا مفہوم:

ہمارے ہاں عام طور پر عذاب کے مقابلہ میں ثواب کا لفظ بولا جاتا ہے، عذاب سے مراد لی جاتی گناہوں کی سزا، اور ثواب سے نیکیوں کی جزا۔

لفظ ثواب کا مادہ (ث و ب) ہے اس کے بنیادی معنیٰ ہوتے ہیں کسی چیز کا واپس مل جانا آپ جو کام بھی کرتے ہیں اس میں آپ کا کچھ صرف ہوتا ہے

روپیہ، پیسہ نہ بھی صرف ہو تو بھی آپ کا وقت اور توانائی صرف ہوتی ہے اگر وہ کام قائدہ کے مطابق کیا گیا ہے تو جس قدر آپ کا صرف ہوا ہے وہ واپس مل جائے گا اسے آپ کے عمل کا ثواب کہا جائے گا۔ (جہان فرداص121)

ایصال ثواب کا انکار:

یہ جو ہمارے ہاں ایصال ثواب کا عقیدہ (یا رسم) ہے تو یہ تصور قرآن کے خلاف ہے حتی کہ اس کے لیے دعائے خیر بھی صرف ہماری ایک آرزوؤں کا اظہار ہوتا ہے لیکن مردے تک یہ ثواب نہیں پہنچتا۔ (جہان فرداص123)

قبر کی زندگی کا انکار:

ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے کہ مرنے کے بعد اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے درمیان ایک وقفہ ہے جس میں مردے کو عذاب (یا ثواب) ہوتا ہے اسے عام اصطلاح میں عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے قرآن کریم سے اس تصور کی تائید نہیں ہوتی دوبارہ زندگی قیامت کے دن ہوگی اس لیے اس دنیا سے جانے اور قیامت کے دن اٹھنے کے درمیان زندگی کا تصور قرآنی نہیں۔ (جہان فرداص177، 178)

زندگی یا (شعور ذات) مسلسل جاری رہنے والی ندی ہے جو اس دنیا کے بیابان سے اخروی گلستان میں داخل ہو جاتی ہے اور موت اسی باڑ کا نام ہے جو ان دونوں کے درمیان حائل ہے جس کی وجہ سے ہم (اس بیابان میں کھڑے) ندی کی باڑ سے آگے نہیں دیکھ سکتے لہذا یہ تصور صحیح نہیں کہ جتنے لوگ مرتے ہیں وہ (مرنے کے بعد) قبروں میں روک لیے جاتے ہیں اور پھر ان سب کو ایک دن اکٹھا اٹھایا جائے گا اسے حشر یا قیامت کا دن کہا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی قیامت اس کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔۔۔ لیکن قرآن کریم میں ایسے اشارات بھی ملتے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ انانی تاثرات (شعور خویش) کی نمود کے موجودہ پیکر کو (موت کے بعد) جدید پیکر میں تبدیل ہونے کے لیے کچھ عبوری سا وقفہ درکار ہوگا۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ جس چیز کو ہم نے اس وقفہ سے تعبیر کیا ہے جس میں شعور خویش کے موجودہ پیکر (vehicle) کو ایک نئے پیکر میں تبدیل ہوتا ہے اس کا اس فرد کو احساس نہیں ہوگا اس وقفہ کو نیند کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ ہی وہ وقفہ ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ (جہان فرداص180، 181)

سماع موتی مع انبیاء کا انکار:

مردے ہماری سن نہیں سکتے اور اس میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں، مردہ ہونے کے اعتبار سے سب کی ایک ہی کیفیت ہوتی ہے، اور تو اور قرآن کریم نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا ہے۔ انك میت وانھم میتون۔ (جہان فرداص182)

آخرت کا تصور اور اس کا مطلب:

جب قرآن کریم میں آخرت کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد صرف مرنے کے بعد کی زندگی نہیں ہوگی اسی سلسلہ میں قرآن کریم میں چند ایک اور اصطلاحات بھی آئی ہیں مثلاً قیامت، بعث، حشر وغیرہ ان کا تعلق بھی صرف مرنے کے بعد کی زندگی سے نہیں یہ اصطلاحات اس دنیا میں قوموں پر وارد ہونے والے بعض حوادث کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ (جہان فرداص127، 128)

قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اسی کا نام ایمان بالآخرت ہے اور یہ بجائے خویش بہت بڑا انقلاب ہے جسے رسالت محمدیہ نے انسانی نگاہ میں پیدا کیا ہے یعنی ہمیشہ نگاہ مستقبل پر رکھنی ہے۔ وبالآخرۃ ھم یوقنون، اس زندگی میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ (سلیم کے نام خطوط ج2 ص73، 74)

آخرت کا نقشہ محض سمجھانے کے لیے ہے:

قرآن کریم محض سمجھانے کی خاطر اس قسم کا نقشہ پیش کرتا ہے گویا ایک عدالت کا میدان ہے جہاں تمام متعلقہ لوگ (فریقین، گواہ، پولس کے

افراد وغیرہ) جمع ہیں مقدمہ پیش ہوتا ہے، شہادات طلب کی جاتی ہیں ریکارڈ سامنے رکھا جاتا ہے، الزامات کی فہرست مرتب کی جاتی ہے، ملزم کو صفائی کا موقعہ دیا جاتا ہے، پھر فیصلہ سنایا جاتا ہے، مجرمین کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جاتا ہے یہ سب قانون مکافات عمل کی نتائج پذیری کو سمجھانے کا وہ طریق ہے جس طرح دنیا میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ مرنے کے بعد ایک دن اول سے آخر تک کے تمام انسان کسی میدان میں جمع کیے جائیں گے اور وہاں ان کی جزا اور سزا کا فیصلہ ہو گا۔۔۔لہذا حشر کا لفظ یا تو اس دنیا میں حق و باطل کی قوتوں کے تصادم کے لیے آیا ہے اور یا مرنے کے بعد کی زندگی میں ظہور نتائج کے لیے۔ (جہان فردا ص142)

خدا کو حساب لینے والا صرف سمجھانے کے لیے کہا گیا ہے:

یہاں تک ہم نے دیکھا کہ خدا کو حساب لینے والا کہا گیا ہے یہ صرف بات سمجھانے کا انداز ہے مقصد اس سے یہی ہے کہ یہ حساب خدا کے قانون مکافات عمل کی رو سے ہو گا یہ حساب کرنے والا کہیں باہر سے نہیں آئے گا چونکہ انسان کے ہر عمل کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اس لیے وہ درحقیقت اپنا محاسب آپ ہوتا ہے اس کی ذات اس کا اعمال نامہ ہوتی اور اس اعمال نامہ کو وہ خود پڑھ کر اپنا حساب آپ کر لیتا ہے۔

(جہان فردا ص22،23)

شفاعت کا انکار:

یہ حقیقیت بداہۃ واضح ہے کہ سفارش (شفاعت) کا یہ تصور یکسر غیر قرآنی ہے۔ (جہان فردا ص200)

ہمارے ہاں مروجہ عقیدہ یہ ہے کہ جب قیامت میں حساب کتاب ہو گا اور مجرمین کو دوزخ کی سزا کا حکم ہو جائے گا تو خدا کے مقرب بندے بالخصوص حضرات انبیاء کرام (علیہم الصلوات والتسلیمات) (اور ان میں سے بھی خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے حضور ان مجرمین کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش پر اللہ تعالی انہیں بخش دے گا اور وہ جنت میں چلے جائیں گے اسے شفاعت کہتے ہیں ظاہر ہے کہ شفاعت کا یہ عقیدہ دین کی ساری عمارت منہدم کر دیتا ہے۔ (جہان فردا ص203)

تبصرہ: جبکہ شفاعت حق ہے

الانبیاء والملائکہ والصحابۃ والشہداء والصدیقین والاولیاء علیٰ اختلاف مراتبھم ومقاماتھم عند ربھم یشفعون ....

وھو امر جائز غیر مستحیل ۔فیجب تصدیقہ (شرح عقائد سفارینیہ ج2ص209)

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

(البقرہ:255)

عن ابی سعید مرفوعا ،قال :فیقول اللہ تعالیٰ :شفعت الملائکۃ وشفعت النبیون وشفعت المؤمنون ولم یبق إلا أرحم الراحمین

(صحیح مسلم ج1ص103)

جہنم سے مراد:

جہنم ہے تو انسان کی قلبی کیفیت کا نام لیکن قرآن کریم کا انداز ہے کہ وہ غیر محسوس مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے تاکہ جہاں ارباب علم وبصیرت ان حقائق کو فکری طور پر سمجھیں عام انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق ان کا اثر لے سکیں۔ (جہان فردا ص235)

جو آگ میں داخل کیا جاتا ہے وہ ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے اس سے بھی واضح ہو گیا کہ عذاب النار سے مفہوم کیا ہے وہ آگ نہیں جو چولہوں میں جلائی جاتی ہے یہ شرف انسانیت سے محرومی کی آتش سوزاں ہے یہ فاسقین کا مقام ہے۔

تبصرہ: جبکہ جہنم کا صحیح مفہوم یہ ہے

جہنم، جنت کی طرح ایک حقیقی مقام اور عذاب کی جگہ ہے۔جو شخص جہنم کو حقیقی جگہ نہیں سمجھتا بلکہ ایک تخیلاتی جہان یا کوئی غیر حقیقی چیز سمجھتا

ہے، وہ در حقیقت جہنم کا منکر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

والجنة حق والنار حق لان الآیات والاحادیث فی شانهما اشهر من ان یخفی وا کثر من ان یحثی الاحصار .... تمسك المنکرون هم الفلاسفة زعموا ان کل ما جاء فی النصوص من ذکر الجنة والنار فهو ماول باللذة والالم العارضین للروح من تصور کمالاتها ونقصاناتها هٰذا التاویل یکفرهم لانه کانکار النصوص۔

(نبراس ص:219)

جو بھی جہنم میں داخل ہو گا وہ جہنم سے نہ نکلے گا:

لہٰذا وہ جو تصور ہے کہ مجرمین کو جہنم میں داخل کیا جائے گا اور وہ جب اپنے جرائم کی سزا بھگت لیں گے تو انہیں جنت کی طرف منتقل کیا جائے گا قرآنی تصور کے خلاف ہے۔ (جہان فرداص240)

تبصرہ: جہنم سے نکلنا ہو گا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُدْخِلُ اللهُ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ بِرَحْمَتِهِ وَيُدْخِلُ أَهْلَ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ انْظُرُوا مَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا حُمَمًا قَدْ امْتَحَشُوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاةِ أَوْ الْحَيَا فَيَنْبُتُونَ فِيهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ إِلَى جَانِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَوْهَا كَيْفَ تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً۔

(صحیح مسلم۔ جلد:1 / حدیث نمبر:457 باب إِثْبَاتِ الشَّفَاعَةِ وَإِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِينَ مِنْ النَّارِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہیں گے جنت میں داخل فرمائیں گے اور دوزخ والوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھو جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے دوزخ سے نکال لو چنانچہ وہ لوگ کوئلہ کی طرح جلے ہوئے ہوں گے پھر انہیں نہر الحیٰوۃ یا حیاء (راوی کو شک ہے) میں ڈالا جائے گا وہ اس میں اس طرح اگیں گے جس طرح دانہ پانی کے بہاؤ والی مٹی سے زردی مائل ہو کر اگ پڑتا ہے۔

جنت سے مراد:

(جہنم کی طرح) جنت بھی کسی مقام کا نام نہیں کیفیت کا نام ہے۔ (جہان فرداص270)

تبصرہ: جنت کا صحیح مفہوم:

جو شخص جنت کو اللہ تعالیٰ کے انعام کی حقیقی جگہ نہیں سمجھتا بلکہ جنت کو ایک تخیلاتی جہان سے تعبیر کرتا ہے، وہ در حقیقت جنت کا منکر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ان ما اخبر الله تعالی من الحور والقصور والانهار والاشجار والاثمار لاهل الجنة ....حق خلافا للباطنية والعدول عن ظواهر النصوص الی معان یدعیها اهل الباطن الحاد۔

(شرح فقہ اکبر ص133)

نجات کا معنیٰ:

اہل شریعت یہ کہتے ہیں کہ انسان دنیا میں آکر جو گناہ کرتا ہے اس سے اس کا دامن آلودہ ہو جاتا ہے اس کے لیے اسے جہنم کی سزا بھگتنی پڑے گی اس سزا سے نجات حاصل کرنا مذہب کا مقصود ہے۔۔۔۔۔ قرآن کریم کی رو سے انسانی زندگی کا مقصد کچھ حاصل کر کے موجودہ زندگی کو زیادہ

حسین بنانا اور بلند سطح پر لے جانا ہے، کسی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنا نہیں۔ (جہان فردا ص125)

اعراف کا معنی:

قرآن کریم نے انسانوں کے دو ہی گروہ بتائے ہیں، ایک اہل جنت اک گروہ اور دوسرا گروہ اہل جہنم کا لیکن سورۃ اعراف میں اہل اعراف کا بھی ذکر آتا ہے ان کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے متعلق ہنوز فیصلہ نہیں ہوا ہو گا کہ وہ جنت میں بھیجے جائیں یا جہنم میں یعنی ان کا کیس (Pending) میں ہو گا قرآن کریم کی رو سے یہ تصور صحیح نہیں۔۔۔۔(جو اہل اسلام کا نظریہ تھا وہ اس نے پیش نہیں کیا اپنی طرف سے گھڑ کر تھوپ دیا حالانکہ اہل اسلام کا تو یہ نظریہ ہے کہ اہل اعراف وہ ہوں گے جن کے نیک اعمال اور برے اعمال برابر ہوں، اور اعراف میں نہ جنت والی نعمتیں ہوں گی اور نہ عذاب ہو گا بس بین بین اب پرویز کا نظریہ ملاحظہ ہو۔ناقل)

اعراف کے معنی بلند مقام کے ہیں اس لیے اہل اعراف وہ ہیں جو (اہل جنت میں سے بھی) باقیوں کے مقابلہ میں زیادہ بلند مدارج کے حامل ہوں گے یہ اہل جنت کا گروہ ہے جسے السابقون اور المقربون کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (جہان فردا ص263)

تبصرہ: اعراف کا صحیح مفہوم:

جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی دیوار حائل ہو گی، اس دیوار کا نام اعراف ہے۔ اس جگہ نہ تو جنت جیسی راحت ہو گی اور نہ ہی جہنم جیسا عذاب ہو گا۔

اعراف کا لغوی معنیٰ:

الاعراف: جنت و دوزخ کے درمیان حد فاصل۔

عرف کی جمع عرف الجبل ونحوہ: پہاڑ وغیرہ کی چوٹی یا بلندی (۲) چہار دیواری فصیل۔ (القاموس الوحید ص:1070،)

اعراف میں وہ لوگ ہونگے جنہیں مستقبل میں جنت میں داخل ہونا ہو گا، بعض عوارض کی بناء پر کچھ دیر اعراف میں رکھے جائیں گے۔ ان عوارض میں سے نیکیوں اور بدیوں کا برابر ہونا وغیرہ ہے۔

فقال حذیفة وابن عباس هم قوم استوت حسناتهم وسیأتهم وقصرت بهم سیأتهم عن الجنة وتجاوزت بهم حسناتهم عن النار۔ (معالم التنزیل ج2 ص163)

فرقہ پرویزیت اور چند متفرقات

﴿عقائد و نظریات اور مسٹر پرویز﴾

خدا تعالیٰ سے مراد:

اور چونکہ خدا عبادت ہے ان صفات عالیہ سے جن میں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لیے قوانین خداوندی کی اطاعت در حقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔ (معارف القرآن ج4 ص420)

عقیدہ تقدیر کا انکار:

مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹڑی پر جا پڑی انہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جزو ایمان بنا دیا چنانچہ ہمارے ایمان میں والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کا چھٹا جزو انہی کا داخل کیا ہوا ہے۔ (قرآنی فیصلے ص190)

تبصرہ: جبکہ تقدیر حق ہے

قرآن کریم

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر:49)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۔ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۔ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ (الأعلی:1-3)

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد:10)

احادیث مبارکہ

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہمانے فرمایااس ذات کی قسم جس کے ساتھ میں عبد اللہ بن عمر کی جان ہے! اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سوناہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، تو اس کا یہ عمل اللہ کے ہاں اس وقت تک قبول نہ ہو گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، پھر انہوں نے اپنی اس بات پر بطور دلیل، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کیا:

الْإِيمَانِ، أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

(صحیح مسلم ج1ص27 کتاب الایمان)

ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر کی بھلائی اور برائی پر ایمان لائے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا! تو اس وقت تک لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو (تکلیف) تجھے پہنچنے والی ہے وہ تجھ سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچی، وہ کبھی تم تک پہنچ نہیں سکتی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ فَقَالَ: رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبْ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ۔

اللہ تعالی نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: اے میرے رب! کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا: قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔

بیٹا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

مَنْ مَاتَ عَلَى غَيْرِ هَذَا فَلَيْسَ مِنِّي (سنن ابی داود، السنۃ، باب فی القدر، ح:4700)

جو شخص اس عقیدے کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے پر مرا، وہ میری امت سے نہیں۔

نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں:

قرآن کریم کی رو سے رسول اور نبی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں ان میں کچھ فرق نہیں صاحب کتاب اور غیر صاحب کتاب کا فرق ذہن انسانی کا پیدا کردہ ہے نبی یا رسول بغیر کتاب کے آہی نہیں سکتا۔۔۔۔۔ نبی یا رسول بلا کتاب کا تصور غیر قرآنی ہے۔ (ابلیس و آدم ص349،350)

قرآن مجید کی تصریح کے مطابق کتاب ہر نبی کو ملی تھی نبی بلا کتاب کا عقیدہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے۔ (قرآنی فیصلے ج2ص32)

تبصرہ: جبکہ رسول اور نبی میں فرق ہے

ففي صحيح ابن حبان من حديث أبي ذر الغفاري رضي الله عنه قال دخلت المسجد فإذا رسول الله صلى الله عليه و سلم جالس وحده فذكر حديثا طويلا وفيه، قلت يا رسول الله كم الأنبياء؟ قال مئة ألف وعشرون ألفا، قلت يا رسول الله كم الرسل من ذلك؟ قال ثلاث مئة وثلاثة عشر جما غفيرا قال قلت يا رسول الله من كان أولهم؟ قال آدم عليه السلام۔

(شاح عقائد سفارینیہ: ج2ص263)

ملائکہ سے مراد:

سر دست اتنا سمجھ لیناضروری ہے کہ ملائکہ سے مراد فطرت کی قوتیں ہیں جنہیں انسان جب جی چاہے مسخر کر سکتا ہے۔(ابلیس وآدم ص48)

ملائکہ دکھائی نہیں دے سکتے:

چونکہ ملائکہ نام ہی ان غیر مرئی قوتوں کا ہے جو نظام کائنات میں مختلف فرائض سرانجام دیتی ہے اس لیے طبعی آنکھوں(physical eyes)سے ان کے دیکھ سکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو تا ہم ان قوتوں کے اثرات کا علم حاصل کرسکتے ہیں (اور وہ بھی اس حد تک جہاں تک ہماری عقل ہماری رہنمائی کرسکتی ہے)انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ (ابلیس وآدم ص169)

تبصرہ: ملائکہ کا صحیح مفہوم

جمهور المسلمين على ان الملائكة اجسام لطيفة تظهر في صورة مختلفة وتقوى على افعال شاقة،هم عباد مكرمون يواظبون على الطاعة والعبادة،ولا يوصفون بالذكورة والانوثة

(شرح المقاصد ج3ص319)

عن عائشة قالت قال رسول الله {صلى الله عليه وسلم} خلقت الملائكة من نور وخلق الجان من مارجٍ من نار وخلق آدم مما وصف لكم (صحيح مسلم ج2ص413 كتاب الزهد)

جبرائیل سے مراد:

انکشاف حقیقت کی روشنی(ذریعہ یاواسطہ)کو جبرائیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ابلیس و آدم ص283)

ابلیس سے مراد:

اس حقیقت کو اسی مقام پر سمجھ لینا چاہیے کہ ابلیس انسان سے الگ خارج میں موجود ہستی نہیں یہ خود انسان ہی کی ایک خصلت کا نام ہے۔
(ابلیس و آدم ص76)

جن کیا چیز ہے:

لفظ جن کے معنی ہیں پوشیدہ، مستور، نگاہوں سے اوجھل، غیر مرئی، جب یہ کرہ ارض سورج سے الگ ہوا ہے تو ایک پگھلا ہوا آتشین مادہ تھا قرنہا قرن کے بعد فضا کی برودت سے اس کے اوپر کا حصہ سخت ہونا شروع ہوا ہے لیکن نامعلوم اس کرہ نار کو کس قدر طویل المیعاد مراحل سے گذرنا پڑا کہ بالآخر یہ ذی حیات آبادی کے قابل ہوا تبدل و تعول کے ان ابتدائی ادوار میں یہاں کس قسم کی مخلوق تھی جسے اس کی آتشیں فضا ساز گار تھی اس کا ہمیں علم نہیں لیکن وہ مخلوق اب قصہ پارینہ ہوچکی ہے اس کی جگہ انسانی آبادی نے لی۔ علم الانسان کے ماہرین اسے سلسلہ ارتقاء کی گم گشت کڑی(Missing Link)سے تعبیر کرتے ہیں جس کا اب تک حتمی طور پر سراغ نہیں لگ سکا اس مخلوق سے آج ہمارا تعلق اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں کہ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے جس پر ہمارا ایمان ہے۔(ابلیس و آدم ص97)

قرآن میں جن انس سے مراد:

قرآن میں جن وانس کے ضمن میں جن جنات کا ذکر ہے ان سے مراد عرب کے صحراء نشین خانہ بدوش قبائل ہیں، اور بس۔

(ابلیس و آدم ص102)

تبصرہ: جنات کا وجود

ووجود الجن والشياطين والملائكة ثابت بالشرع وانكره الفلاسفة (تفسیر مظہری ج10ص79)

عن عبد اللہ أنه كان مع النبي صلى الله عليه و سلم ليلة الجن الحديث بطوله فقال الشعبي إن النبي صلى الله عليه و سلم قال لا تستنجوا بالروث و لا بالعظام فإنه زاد إخوانكم من الجن (ترمذی ج1ص11باب کراہیۃ مایستنجی بہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى رَسُولِ اللّٰہِ صلی الله علیه وسلم فَقَالُوا يَا مُحَمَّدُ انْهَ أُمَّتَكَ أَنْ يَسْتَنْجُوا بِعَظْمٍ أَوْ رَوْثَةٍ أَوْ حُمَمَةٍ فَإِنَّ اللّٰہَ تَعَالَى جَعَلَ لَنَا فِيهَا رِزْقًا قَالَ فَنَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم.

(سنن ابی داؤد ج1ص6باب ماینھی عنہ ان یستنجی بہ)

ہدایت کا سلسلہ صرف انسان کے لیے ہے:

تمام رسول انسانوں کی طرف ہی آئے تھے اس سے بھی ظاہر ہے کہ جن وانس دونوں انسانوں ہی کی دو جماعتیں ہیں انس شہروں کی مہذب آبادی اور جن صحراؤں کے بادیہ نشین جو شہری آبادی کی نگاہوں سے اوجھل اور بیابانوں میں رہتے تھے، لہٰذا قرآن کریم میں جہاں جہاں جن وانس کا ذکر ہو گا اس سے مراد انسانوں کی ہی دو جماعتیں ہوں گی۔۔۔۔۔ان تمہیدی اشارات کی روشنی میں قرآن کریم کی ان آیات کا مفہوم باآسانی سمجھ میں آسکتا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ جنات (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) قرآن سننے کے لیے آتے تھے۔ (ابلیس وآدم ص100)

تبصرہ: ہدایت کا سلسلہ جن وانس دونوں کی طرف ہے

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا (الانعام :130)

ثالثها :ان يعلم القوم ان الجن مكلفون كالانس (تفسير كبير :665/10)

حسی معجزات کا انکار:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے سوا (جو عقلی معجزہ) ہے کوئی اور معجزہ نہیں دیا گیا۔ (معارف القرآن ج4ص731)

غور کرو سلیم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ (سلیم کے نام ج3ص92،91)

تبصرہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کو حسی معجزات دیے گئے ہیں

وَيَا قَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللّٰہِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ۔ (ھود:37)

قُلْنَا يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ۔ (الانبیاء:٦٩)

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔

(الاسراء:1)

و من انكر الاخبار المتواترة في الشريعة كفر۔ (شرح فقہ اکبر:165)

وهذا لأن خبر الواحد محتمل لا محالة,ولا يقين مع الاحتمال,ومن أنكر هذا فقد سفه نفسه وأضل عقله۔

(کشف الاسرار شرح اصول بزدوی3/694)

معراج کا انکار:

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اسری میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی کی طرف لے گیا تاکہ وہاں اسے اپنی آیات دکھائے۔۔۔۔خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضور کی شب ہجرت کا بیان ہے اس طرح مسجد اقصی سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہو گی جسے آپ نے وہاں جاکر تعمیر فرمایا۔ (معارف القرآن از پرویز ج4ص736)

ختم نبوت کا مطلب:

اب سلسلہ نبوت ختم ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کے اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے، صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ ان کا

کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہو جائے جو وحی نے عطا کیے ہیں اور جواب قرآن کے دفین میں محفوظ ہیں۔

(سلیم کے نام اکسیر ان خط ج2ص120)

ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ کا انکار

دنیا کے دیگر اہل مذاہب آنے والے کے متعلق جو عقیدہ جی میں آئے رکھیں۔ لیکن جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی آنے والے کا کوئی ذکر نہیں نہ امام مہدی کا نہ حضرت عیسیٰ کا۔ (قرآنی فیصلے ج1ص366،365)

کسی آنے والے کا تصور وہ کوئی پرانا نبی ہو یا نیا مسیح ہو یا مہدی، قرآن کی کھلی ہوئی تعلیم کے خلاف اور ختم نبوت کے نقیض ہے۔ (قرآنی فیصلے ج1ص366)

تبصرہ: نزول عیسیٰ

واما الاجماع فقد اجتمعت الامة علیٰ نزوله ولم یخالف فیه احد من اهل الشریعة وانما انکر ذالك الفلاسفة .... وقد انعقد اجماع الامة علیٰ انه ینزل ویحکم بهٰذه الشریعة المحمدیة ولیس ینزل بشریعة مستقلة عند نزوله من السماء وان کانت النبوة قائمة به وهو متصف بها (شرح عقیدہ سفارینیہ ج2ص90)

قرآن کریم

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران:46)

وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ (الزخرف:61)

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (النساء:157)

احدیث مبارکہ

عن أبي هريرة قال قال رسول الله {صلى الله عليه وسلم} والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً مقسطاً فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويفيض المال حتى لا يقبله أحدٌ (صحیح مسلم: باب نزول عیسیٰ بن مریم حکما)

امام نووی فرماتے ہیں:

وقوله صلى الله عليه وسلم (حكما) أي ينزل حاكما بهذه الشريعة لا ينزل نبيا برسالة مستقلة وشريعة ناسخة بل هو حاكم من حكام هذه الامة (شرح مسلم للنووی ج؟؟ص؟؟)

﴿عبادات اور مسٹر پرویز﴾

ارکان اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ پرویز کی نظر میں:

نماز:

عجم میں مجوسیوں (پارسیوں) کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا تھا (یہ لفظ ہی ان کے ہاں کا ہے اور ان کی کتابوں میں موجود ہے لہذا صلوٰۃ کی جگہ نماز نے لے لی) (قرآنی فیصلے ص26)

قرآن کریم نے نماز پڑھنے کے لیے نہیں کہا تھا قیام صلوٰۃ یعنی نماز کے نظام (institution) کے قیام کا حکم دیا ہے مسلمان نمازیں پڑھتے ضرور ہیں لیکن انہوں نے نظام صلوٰۃ کو قائم نہیں کیا ان کی نماز ایک وقت معینہ کے لیے ایک عمارت (مسجد) کی چار دیواری کے اند ایک عارضی عمل بن کر رہ جاتی ہے۔ (معارف القرآن ج4ص328)

پرویز کے نزدیک اقامۃ صلوٰۃ سے مراد:

معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر ربوبیت نوع انسانی (رب العٰلمین) کی عمارت استوار ہوتی جائے قلب و نظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی روح ہے۔ (نظام ربوبیت ص87)

دو وقت کی نماز:

صلوٰۃ الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو اور صلوٰۃ العشاء کے بعد، اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اجتماعات صلوٰۃ کے لیے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لے کر کیا۔ (لغات القرآن ج3 ص1044)

نماز میں ردوبدل:

جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادات دونوں پر منطبق ہوگا یعنی اگر جانشین رسول اللہ (یعنی قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولا مجاز ہوگی۔ (قرآنی فیصلے ص14، 15)

روزہ:

روزے رمضان کے مہینے کے ہیں تین دن یا نو دن کے نہیں بلکہ پورے مہینے کے ہیں۔ (قرآنی فیصلے ج1 ص54)

تراویح:

تراویح کا ذکر قرآن کریم میں نہیں آیا طلوع اسلام ان بحثوں میں نہیں الجھا کرتا جن امور کا ذکر قرآن میں نہیں اکے متعلق اس کا مسلک واضح ہے۔ (قرآنی فیصلے ج1 ص59)

اعتکاف:

اس قسم کا اعتکاف جو ہمارے ہاں رائج ہے جس میں اعتکاف کرنے والا کسی مسجد کے ایک کونے میں چادر تان کر دس روزہ کے لیے آکر پڑا رہتا ہے اور دن رات قرآن کے الفاظ دہرانے یا سونے کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہیں رہتا وہ قطعا غیر قرآنی ہے اور اسلام کی روح کے منافی ہے۔
(قرآنی فیصلے ج1 ص60)

عاکفون اور عاکفین قرآن کریم میں متعدد جگہ آئے ہیں جن کے معنی کسی کام پر مسلسل لگے رہنا اور جمے رہنا ہیں۔ (حوالہ ایضا)

زکوٰۃ:

زکوٰۃ کا معنی ہے سامان نشو نما، لہذا اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچائے۔
(قرآن قوانین ص155)

زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی، اس لیے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریات ملی پر ہے حتی کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو لہذا جب کسی جگہ السامی حکومت نہ تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی۔ (قرآنی فیصلے ص35)

اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصد مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا بیس فی صد ہے تو یہی بیس فی صد شرح شرعی قرار پا جائے گی اور جب قرآن نظام ربوبیت اپنی آخری شکل میں قائم ہوگا تو اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہو جائے گی۔ (سلیم کے نام ج1 ص47، 48)

صدقہ فطر:

صدقات ان ٹیکسوں کا نام ہے جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عائد کیے جاتے ہیں انہی میں صدقہ فطر ہے۔ (قرآنی فیصلے ص50)

اب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف اتنا حصہ پیش کیا جاتا ہے کہ نماز سے پہلے صدقہ فطر نکال کر اپنے اپنے طور پر غریبوں میں تقسیم کیا جائے گا اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو روزے معلق رہ جائیں گے خدا تک نہیں پہنچیں گے گویا یہ صدقہ فطر ملت کے اجتماعی مصالح کے لیے نہیں بلکہ ڈاک کے ٹکٹ ہیں جنہیں روزوں پر چسپاں کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا جاتا ہے تا کہ روزے مکتوب الیہ (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائیں۔

(قرآن فیصلے ص51)

حج:

حج عالم انسانی کا وہ عالمگیر اجتماع ہے جو اس امت کے مرکز محسوس (کعبہ) میں اس غرض کے لیے منعقد ہوتا ہے کہ ملت کے تمام اجتماعی امور کا حل قرآنی دلائل و حجت کی رو سے تلاش کیا جائے اور اس طرح یہ امت اپنے فائدے کی باتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے۔

(لغات القرآن ج2ص474)

اول تو حج ہی اپنے مقصد کو چھوڑ کر محض یاترا بن کر رہ گیا ہے حاجی وہاں جاتے ہیں تا کہ اپنے تمام سابقہ گناہ آب زمزم سے دھو کر اس طرح واپس آجائیں جس طرح بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (قرآنی فیصلے ص63)

قربانی:

حج عالم اسلام کی بین العلی کانفرنس کا نام ہے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد و نوش کے لیے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا رہ گئی ہے۔ (رسالہ قربانی ص3)

قربانی تو وہاں کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ تھی اب جس طرح وہاں جانور ذبح کر کے دبائے جاتے ہیں نہ ہی وہ مقصود خداوندی ہے اور نہ ہی ان کی ہم آہنگی میں ہر جگہ جانوروں کا ذبح کرنا بغیر کسی مقصد و غایت کو اپنے ساتھ لیے ہوئے ہیں وہاں بھی سب کچھ ضایع کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی وذالک خسران المبین۔ (قرآنی فیصلے ص65)

الفاظ قرآن کی تلاوت پر ثواب نہیں:

یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے یہ عقیدت در حقیقت عہد سحر کی یاد گار ہے۔

(قرآنی فیصلے ص104)

﴿معاملات اور مسٹر پرویز﴾

حکمرانی اسلام میں نہیں:

کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں ہو سکتا کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر حق حکومت حاصل نہیں ہو سکتا۔

(قرآنی قوانین ص161)

غلامی اسلام میں نہیں:

ظاہر ہے کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کا محکوم نہیں ہو سکتا تو وہ دوسرے انسان کا غلام کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن نے غلامی کے

دروازوں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ (قرآن قوانین ص162)

قرآن نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا، اب لونڈیوں کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (قرآنی قوانین ص59)

تبصرہ: اسلام نے غلامی کو باقی رکھا ہے

”قیدیوں کو غلام بنا کر رکھنے کی اجازت بھی اس وقت تک ہے جب تک اس کے خلاف دشمنوں سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمنوں سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازمی ہو گی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے۔ لہذا جو اسلامی ملک اس معاہدے میں شریک ہیں۔ ان کے لیے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں۔ جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔“(معارف القرآن: ج8 ص27)

زنا کی سزا:

زنا کی سزا (مرد اور عورت دونوں کے لیے) سو سو کوڑے ہے، رجم یا سنگسار کرنے کا ذکر قرآن میں نہیں۔ (قرآنی قوانین ص100)

تبصرہ:

صحیح بخاری ج 2 ص 1008 میں موجود ہے: قال عمر لقد خشیت ان یطول بالناس زمان حتی یقول قائل لا نجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ الا وان الرجم حق علی من زنیٰ وقد احصن اذا قامت البینۃ او کان الحبل اوالاعتراف ....وقد رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمناہ بعدہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ گزرے گا تو کوئی کہنے والا کہے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم [سنگساری کا حکم] نہیں پاتے پس وہ ایک ایسے فریضے کو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا چھوڑ کر گمراہ ہوں گے اور بے شک اس زانی پر جو شادی شدہ ہو رجم [سنگساری کی سزا] برحق ہے، جبکہ گواہی قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ از خود اقرار کرلے ......بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کی سزا نافذ فرمائی اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سزا جوں کی توں نافذ کی۔

شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں ” (رجمہ بالحجارۃ حتی یموت) علیہ اجماع الصحابۃ ومن تقدم من علماء المسلمین“ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور وہ علماء مسلمین جو پہلے گزر چکے ہیں۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ج5 ص210)

قصاص:

اس کی معنی جرم کی سزا دینا نہیں، اس کی معنی ہیں مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ وہ بلا گرفت نہ رہ جائے۔ (قرآن قوانین ص169)

چوری کی سزا قطع ید سے مراد:

قطع ید سے مراد ہاتھ کو کاٹ کر الگ پھینک دینا ہی نہیں اس کے معنی ہاتھوں کو محض زخمی کر دینا بھی ہیں یا کسی کام سے روک دینا بھی، جیسے قطع لسان کے معنی کسی زبان درازی سے روک دینے کے ہوتے ہیں۔ (قرآنی قوانین ص118)

مرتد کی سزا کوئی نہیں:

واضح رہے کہ قرآن کریم کی رو سے مرتد (اسلام چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کر لینے) کی کوئی سزا نہیں جب آزادی مذہب اس کا بنیادی اصول ہے تو تبدیلی مذہب کی سزا کیسی۔ (قرآنی قوانین ص165)

طلاق کا حق مرد کو نہیں: اس ضمن میں ایک اصولی بات واضح رہے اور وہ یہ ہے کہ جب اس معاہدہ (یعنی نکاح، ناقل) کے لیے فریقین کی

رضا مندی ضروری تھی تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس معاہدہ کو توڑنے کے لیے ایک طرف ایک فریق (خاوند) کا کلی اختیار دے دیا جائے (کہ وہ جب چاہے طلاق طلاق طلاق کہہ کر) بیوی کو گھر سے نکال دے اور دوسری طرف فریق ثانی (بیوی) کو اس قدر مجبور بنادیا جائے کہ اسے اس پابندی سے گلو خلاصی کے لیے ہزار مشقتیں اٹھانی پڑیں قرآن میں میاں اور بیوی کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں مقرر کی ہیں اس لیے اس باب میں بھی دونوں کی پوزیشن ایک جیسی ہے۔

(قرآنی قوانین ص67)

طلاق کے لفظ سے نکاح ختم نہیں ہوتا:

طلاق کا لفظ کہہ دینے سے نکاح فسخ نہیں ہوجاتا خواہ اسے تین چھوڑ تین سو مرتبہ بھی کیوں نہ دہرایا جائے۔ (قرآنی قوانین ص74)

تین طلاق کا معنی:

تین طلاق کے معنی ہیں ایک میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں تین مرتبہ نکاح کا فسخ ہوجانا۔۔۔۔ اگر کسی نے تین مرتبہ کہہ دیا (طلاق، طلاق، طلاق) تو پھر حلالہ کرنا پڑے گا ان آیات کا یہ مفہوم خلاف قرآن ہے۔ (قرآنی قوانین ص74)

تعدد ازواج جائز نہیں:

قرآن کی رو سے اصول وحدت زوج کا ہے لیکن اگر کبھی کسی وجہسے معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہوجاءےں (مثلا جنگ، کی وجہ سے) جن کی رو سے بیوہ عورتوں اور جوان لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہوجائے اور ان کے مسئلہ کا اور کوئی اطمینان بخش حل نہ مل سکتا ہو تو اسلامی حکومت وحدت زوج کے اصولی قانون میں استثناء کرکے اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ (چار تک) شادیاں کرلی جائیں۔

(قرآنی قوانین ص57)

تبصرہ: اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

(النساء:3)

عن بن عباس قال: أسلم غيلان بن سلمة وتحته عشر نسوة فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يمسك أربعا ويفارق سائرهن

قال وأسلم صفوان بن أمية وعنده ثمان نسوة فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمسك أربعا ويفارق سائرهن

(سنن الدار قطنی: باب المھر)

تعدد زوجات کا قانون طبعی قانون ہے اور جب تک دنیا باقی ہے یہ قانون باقی رہے گا۔ اسی لیے عسائیت نے ممانعت کے ذریعے اس رسم کو ختم کرنے کی جو کوششیں کی ہیں ان کے الٹے نتائج بر آمد ہوئے ہیں اور ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ عیسائیت جس شدت سے اس کو روکنے کی کوشش کرتی ہے لوگ اسی شدت کے ساتھ اس کام کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ایک بیوی کا قانون جس پر مسیحیت کاربند ہے یہ اپنے دامن میں بے شمار برائیوں کو سمیٹے ہوئے ہیں اور ان برائیوں کے نتائج تین شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں: فحاشی، طوائفیں اور ناجائز بچے۔

(زکریا ہاشم زکریا، المستشر کون والاسلام، المجلسالاعلی للشون الاسلامیہ، 1965، صفحہ 46-344)

منٹمگری واٹ تعدد ازواج کے قانون کی وجہ سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کی کوشش کرنے والوں میں پیش پیش ہے، لیکن اس قانون کی افادیت کو تسلیم کئے بغیر وہ بھی رہ سکتا۔

وہ خود لکھتاہے:

تعدد زوجات کے قانون نے بعض ان زیادتیوں کا مداوا کردیا جو انفرادیت پسندی کے ترقی کرجانے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھیں۔ اس قانون نے زائد عورتوں کو باعزت طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے مواقع فراہمکئے، سرپرستوں کی طرف سے عورتوں پر کی جانے والی زیادتیوں کو کم کیا۔ اس قانون نے

نکاح کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کی ترغیبات کو کم کیا، جس کی عرب معاشرہ میں اجازت تھی۔اس زمانے میں جو رسوم موجود تھیں ان کے پیش نظر معاشرے کے تنظیم کے سلسلے میں یہ اصلاح بڑا اہم قدم تھا۔

(Muhammad at Medina,p.227)

﴿مسٹر پرویز اور قرآن فہمی﴾

پرویز کا فہم قرآن ایک نئے انداز سے:

جو کچھ مفہوم القرآن میں بیان کیا گیا ہے وہ فہم قرآن کی انسانی کوشش ہے اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی نہ ہی اسے کبھی حرف آخر کہا جاسکتا ہے میں نے قرآن فہمی کے سلسلے میں اپنی بصیرت کے مطابق ایک نئی طرح ڈالی ہے۔(مفہوم القرآن ص29)

پرویز کا تدبر فی القرآن چراغ راہ ہے:

یہ حقیقت قارئین طلوع اسلام کے علم ہی میں ہے کہ طلوع اسلام کے قرآنی مباحث محترم پرویز صاحب ہی کے نور بصیرت سے مستفید ہوتے ہیں اور انہی کا تدبر فی القرآن ہم سب کے لیے چراغ راہ بنتا ہے۔(طلوع اسلام نومبر 1949ء ص54)

تیرہ سو سال بعد قرآن کی آواز:

یہ مہلت جو اس وقت ہمیں ملی ہے ہم تو اپنے آپ کو اس کا بھی اہل نہیں سمجھتے تھے شاید یہ اس لیے کہ اس سرزمین سے تیرہ سو سال کے بعد پہلی بار قرآن کی آواز اٹھی ہے اور قدرت کو یہ منظور ہے کہ تیرہ سو سال کے کے بعد پہلی بار قرآن کی آواز اٹھی ہے اور قدرت کو یہ منظور ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد ایک بار پھر قرآنی نظام اپنی عملی شکل میں سامنے آجائے۔(طلوع اسلام نومبر 1954ء ص11)

ابلیس و آدم کتاب معجزہ:

میری زندگی کا مقصود و مطلوب قرآن کریم کا سمجھنا اور اسے اپنی بصیرت کے مطابق دوسروں کو سمجھانا ہے جہاں تک اس کے سمجھنے کا تعلق ہے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ میں نے اس میں اپنی ساری عمر صرف کی ہے یہ کتاب فی الواقعہ معجزہ ہے۔ (ابلیس و آدم ص،غ)

حدیث کی منع قرآن میں اور لہو الحدیث سے مراد حدیث ہے:

سارے قرآن میں کتاب کے سوا کسی حدیث پر ایمان لانے کا حکم نہیں ہے بلکہ ممانعت نکلتی ہے ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل من سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھذوا اولئك لھم عذاب مھین۔

آیت میں حدیث کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

1: اس سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

2: اس کی بنیاد علم یقین پر نہیں ہے۔

3: اس سے لوگ اللہ کی راہ یعنی دین کو مذاق بناتے ہیں۔

اس لیے جن لوگوں نے اس لفظ کی تفسیر غنا یعنی راگ کے ساتھ کی ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے۔ (مقام حدیث ص85)

نوٹ: لیضل من سبیل اللہ نہیں ہے بلکہ لیضل عن سبیل اللہ ہے یہ کتابت کی غلطی ہے جو قابل تصحیح ہے۔

مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ طیبہ ہے

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (سورۃ بنی اسرائیل:1)

مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے متقدمین میں سے (غالباً) کسی نے ایسا نہیں کہا تھا۔ (قرآنی فیصلے ج2 ص454)

﴿تحریف دین اور پرویز﴾

دین کے ہر گوشہ میں تحریف ہو چکی ہے:

وہ دین جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا تک پہنچایا تھا اس کا کون سا گوشہ اور کون سا شعبہ ہے جس میں تحریف نہیں ہو چکی۔

(قرآنی فیصلے ص66)

﴿وہ مسائل جو پرویز نے قیاس کر کے بتائے ہیں﴾

حاملہ بیوہ عورت:

بیوہ عورت کی عدت چار مہینے اور دس دن ہے۔۔۔ اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے قرآن میں عدت کا الگ حکم نہیں آیا، لیکن مطلقہ (حاملہ) کے متعلق حکم پر قیاس کر کے مستنبط کیا جا سکتا ہے کہ اس کی عدت بھی وضع حمل تک ہو گی۔ (قرآنی قوانین ص76)

مسئلہ سحاقت:

وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (النساء:16)

اس آیت میں صیغہ (والذان) تو مذکر کا ہے یعنی دو مرد لیکن استنباطاً اس سے مراد (دو عورتیں) بھی ہو سکتی ہیں ہم نے اس لیے عنوان میں سحاقت بھی لکھ دیا ہے جس کی مرتکب دو عورتیں ہوتی ہیں۔ (قرآن قوانین ص102)

﴿تضادات طلوع اسلام﴾

تضاد نمبر 1:

موت کا وقت مقرر ہے: یہ خیرات اس موت کی مصیبت کو ٹالنے کے لیے ہے جس کے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اس کے وقت معین میں ایک ثانیہ بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ (طلوع اسلام اکتوبر 1940ء ص67)

موت کا وقت مقرر نہیں: اگر موت کا وقت پہلے ہی سے مقرر ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اب ظاہر ہے کہ اگر موت اور مرض کو ایک مقررہ وقت پر آنا ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو پرہیز اور علاج سے متعلق ان ہدایات کی ضرورت ہی کوئی نہیں تھی۔ (طلوع اسلام فروری 1953ء ص64،65)

تضاد نمبر 2:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرضی شخصیت: ایک شخصیت سلمان فارسی نامی احادیث کے ساتھ گھڑی گئی یہ کوئی تاریخی شخصیت نہیں۔

ط(لوع اسلام نومبر 1954ء ص49)

حضرت سلمان فارشی مقتدر و معظم صحابی: آخر میں ہم سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے مقتدر و معظم صحابی کا ایک قول نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ (طلوع اسلام مارچ 1963ء ص50)

تضاد نمبر 3: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی نہیں تھے: حضرت علی رضی اللہ کے مقابلہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو کسی زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھا کرتے تھے اور جنہیں لوگوں نے غلطی سے کاتب وحی مشہور کر دیا ہے) کامیاب ہو گئے۔ (طلوع اسلام نومبر 1964ء ص56)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کا شمار ان کاتبین وحی میں ہوتا ہے جن کو سفرۃ کرام بررۃ(خوشنویس، شرافت کے مجسمے اور نہایت نیکوکار) کے القاب سے خود قرآن نے یاد کیا ہے۔

(طلوع اسلام جون 1953ء ص39)

تضاد نمبر 4:

انسان خلیفۃ اللہ ہے: یہ ناممکن ہے کہ انسان کو قیام خلافت الٰہی ایسا گواہ بار فرض تفویض کر دیا گیا ہو اور اس کے بجالانے کا طریقہ نہ بتایا گیا ہو یہ نہیں ہوسکتا کہ ظلوم اور جہول انسان کے کاندھوں پر اتنا بڑا بوجھ رکھ دیا گیا ہو اور اس کو اٹھا کر چلنے کا گر نہ سمجھایا گیا ہو۔

(طلوع اسلام اگست 1940ء ص78)

انسان خلیفۃ اللہ نہیں: اصل یہ ہے کہ اس قسم کے باطل تصورات کا بنیادی سبب وہ عقیدہ ہے جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آرہا ہے کہ خدا نے انان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے یہ عقیدہ قرآن تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ (طلوع اسلام جون 1973ء ص16)

تضاد نمبر 5:

فطرت انسان کے اندر ہے: تمہاری بنیادی غلطی یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایک انسان کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسا پر حکومت کرے یہ غلط ہے اور خلاف فطرت انسانی ہے۔ (طلوع اسلام مئی 1939ء ص29)

انسان کے اندر فطرت نہیں: یاد رکھیے یہ انسان کے حیوانی جذبات ہیں (جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا) انسان کی نہ کوئی فطرت ہو سکتی ہے، اور نہ فطرت ہے۔ (طلوع اسلام نومبر دسمبر 1961ء ص104)

تضاد تصنیف بہت بڑا نقص ہے:

تضاد تو تصنیف کا ایسا نقص ہے کہ اگر کسی کتاب میں دو باتیں بھی باہم دگر متضاد ہوں تو علمی طبقہ میں اس کتاب کا کوئی وقار ہی نہیں رہتا۔

(طلوع اسلام جون 1958ء ص10)

طلوع اسلام میں مضمون دینے کی شرائط:

صرف اس پابندی کے ماتحتکہ جو کچھ لکھا جائے وہ ہماری بصیرت کے مطابق قرآنی تعلیم کے مطابق ہو۔ (طلوع اسلام مئی 1956ء ص10)

بقول پرویز کے کسی رسالے میں بغیر اختلافی نوٹ کے کسی مضمون کا شائع ہونا اسی مضمون سے اتفاق ہے:

فروری 1942ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں علامہ حمید الدین فراہی اور علم حدیث کے متعلق ان کے شاگرد مولوی امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس پر سید سلیمان ندوی (مرحوم) نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا تھا جس کا مطلب یہی ہے کہ وہ بھی ان خیالات سے متفق تھے۔(مقام حدیث ص155)